

مطبوعات

آفتابِ حجیر | مصنف: پیام شاہ جہانپوری۔ ناشر: ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور۔ قیمت دو روپے۔

زیر نظر کتاب پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت سید ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر تذکرہ ہے جسے فاضل مصنف نے کافی محنت سے مرتب فرمایا ہے۔ کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب سوانح پر مشتمل ہے جس میں آپ کے نام و نسب، جائے پیدائش، خاندانی حالات، تعلیم و تربیت اور سیاحت وغیرہ کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں آپ کے درودِ لاہور سے لے کر آپ کی وفات تک کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ اور تیسرے باب میں آپ کے افکار و نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ باب مصنف کی اپنی تصریح کے مطابق کشف المحجوب کے ان ابواب کا خلاصہ ہے جو تصوف اور علم اخلاق سے متعلق ہیں۔ اگر کتابت کی غلطیوں سے صرف نظر کر لیا جائے تو کتاب کا معیار کتابت و طباعت اچھا ہے۔ اسلام اور اصول حکومت | مصنف: علی عبدالرزاق۔ مترجم: ف۔ م۔ ماجد۔ ناشر: المجید۔ المنار مارکٹ چوک انارکلی۔ لاہور۔

زیر نظر کتاب اس لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے کہ اس میں دو مختلف بلکہ متضاد طرز فکر بیک وقت کام کر رہے ہیں۔ کتاب کے مصنف شیخ عبدہ کے شاگرد، جامعہ ازہر کے فاضل اور مصر کے محاکم شرعیہ کے قاضی جناب علی عبدالرزاق ہیں جنہوں نے برسوں کی محنت کے بعد یہ کتاب الاسلام و اصول الحکمر میں مرتب فرمائی ہے۔ کتاب کی تالیف اس زمانے میں کی گئی جب ترکی میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مسلمانانِ عالم مادی بالادستی سے پہلے ذہنی

بالا دستی کھو چکے تھے۔ مغرب کا اشراق اور استشرق ان کے قلب و نظر کو مستخر کر چکے تھے جناب علی عبدالرزاق نے اپنی اس کتاب کی بنیادین و دنیا بالعموم اور دین و سیاست بالخصوص کی جدائی پر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ وہ عرب قوم پرستی کے جذبے سے بھی سرشار ہیں۔ ان دو محرکات کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا محرک بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پس منظر میں موجود رہا ہے اور وہ جامعہ ازہر کی تعلیم کا وہ نقش ہے جسے یورپ کا اشراق اور استشرق پوری طرح تحت الشعاع سے کھرچ کر نکال نہیں سکے۔ ساری کتاب میں یہ تین محرکات واضح طور پر کارفرما نظر آتے ہیں۔ جناب مصنف کی رائے میں خلافت ایک اسلامی ادارے کی حیثیت سے ختم کر دینی چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت دینی تھی نہ کہ سیاسی، اس لیے آپ کی نیابت یا خلافت کا نظریہ باطل ہے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو کسی قسم کا سیاسی اقتدار سپرد نہ کیا تھا۔ آپ کا منصب نبوت آپ کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔ اور منصب نبوت میں آپ کسی کو وارث بنا ہی نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ آپ کے بعد جو سیادت قائم ہوئی وہ الٰہی سیادت تھی۔ حضرت ابوبکر ایک ”بادشاہ“ تھے۔ حروبِ رذوۃ کی نوعیت خالصتہً سیاسی تھی نہ کہ دینی، اور ان کا مقصد محض اتحادِ عرب کو بچانا تھا۔ مرتدین اور مانعینِ زکوٰۃ نے تو صرف حضرت ابوبکرؓ کی سیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا نہ کہ کسی کفر کا ارتکاب۔ ان لوگوں کو زبردستی مرتد قرار دے دیا گیا۔ ماضی مصنف فرماتے ہیں کہ جب کبھی ہم تاریخ کی ان روایات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے بارے میں دیکھتے ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے بغاوت کی، جنہیں مرتدین کا لقب دیا گیا اور جن کے خلاف جنگوں کو عروبِ رذوۃ کہا گیا تو ہم تاریخ کی گراہی تاریکی اور ظلم سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں۔

یہ کتاب جب ۱۹۲۵ء میں مصر میں شائع ہوئی تو ایک کھرام مچ گیا۔ مصر کے ایک سابق مفتی اعظم شیخ محمد نجیب نے اس کے جواب میں حقیقۃ الاسلام و اصول الحکم لکھی۔ خود شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رشید علامہ رشید رضا نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اور ترکی میں خلافت

کے خاتمے کے بعد خلافت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے قولاً اور عملاً پوری جدوجہد کی۔ ایک طرف مسلمانوں نے تو اس کتاب کو علی العموم مذموم ٹھہرایا لیکن یورپ کے مستشرقین نے اس کی قدر پہچانی اور مسٹر چارلس ایڈمز نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کر ڈالا جو اس وقت شائع نہ ہو سکا۔ ۲۷ برس گزرنے کے بعد جناب ف۔ م۔ ماجد صاحب سابق ریسرچ اسٹنٹ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز میگل یونیورسٹی کینیڈا کی نظر انتخاب اس کو ہرنایا ب پریسی اور انہوں نے اپنے محترم استاد ولفرڈ۔ سی۔ اسمتھ سے جو انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں اس کتاب کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ پروفیسر اسمتھ نے ایک مسلمان کے قلم سے پوری امت مسلمہ کے خلاف اس قدر قیمتی دستاویز کے اردو ترجمے کے خیال کو بہت سراہا۔ اس طرح یہ ترجمہ عالم وجود میں آیا۔ ترجمہ ہو چکنے کے بعد پروفیسر اسمتھ نے ہی اس اردو ترجمے اور سابقہ انگریزی ترجمے کی اشاعت کی اجازت بنفس نفیس قاہرہ جاکر مصنف سے حاصل کی۔

کتاب کے ترجمہ جناب ف۔ م۔ ماجد صاحب اور علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ایک ایسے بزرگ ہیں جو بہت سمجھا بتوا ذہن رکھتے ہیں۔ کتاب کے ”ابتدائیہ“ میں انہوں نے کتاب کے مباحث کا ایک خلاصہ پیش کرنے کے بعد مصنف کے اٹھائے ہوئے ایک ایک مسئلے کی تعلیٰ کی ہے اسلام میں ”خلافت“ کے ادارے کی حمایت کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے روزِ اول ہی سے خلافت کو ایک دینی شعار سمجھا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت کسی نے یہ اعتراف نہ اٹھایا کہ چونکہ قرآن اور سنت اس کے حامی نہیں لہذا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ آنے والے زمانوں میں جمہور اسلام اور علماء اسلام نے بھی اس پر انگشت نمائی نہ کی۔ بلکہ بدترین اور ظالم ترین خلفاء کے دور میں کسی نے بھی محض اس سبب سے خلافت کو ختم کرنے کی تجویز پیش نہ کی۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تیرہ سو سال تک جس ادارے کی حمایت ہر مدرسہ خیال سے ہوتی آئی ہو وہ یک دم غیر اسلامی کیسے ہو گیا۔

اسلام کا تصور ان کے ذہن میں کتنا صحیح ہے اس کا اندازہ ذیل کے اقتباسات سے لگایا

جاسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ”اسلام محض عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ایسا ضابطہ جو فرد اور معاشرے کے ہر پہلو کے ارتقاء کے لیے کوشاں ہو“ آگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جس میں انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں توازن پیدا کیا جائے اور اسے کامل زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا جائے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب طرز حکومت اس ہم آہنگ ہو اور دین کا جزو ہو“ دین و سیاست کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات کچھ عجیب سی نظر آتی ہے کہ افراد تو مسلمان ہوں اور اپنے دین کے اصولوں پر پورے غلو سے عمل کرنا چاہتے ہوں لیکن وہ ریاست یا حکومت کے معاملے میں اس بات پر راضی ہو جاتیں کہ جیسے غیر اسلامی حکومت ہی تھی۔ اس طرح مادی ترقی تو ممکن ہے حاصل ہو جائے لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ دین سے متعارض نہیں ہوگی مثال کے طور پر مادی ترقی کے لیے سہولت دہانی ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن کیا اسے جائز کرنے سے دینی ترقی بھی حاصل ہوگی؟ اور کیا ایسی ریاست اسلامی کہی جاسکتی ہے جس میں سود، شراب اور لحم خنزیر مسلمان آبادی کی مادی ترقی کے لیے ضروری شرط قرار دے دیتے جاتیں؟ خلافت کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ”جس طرح ہر وہ طرز حکومت جو عوام کو جو ابد ہو جمہوری اور ہر وہ طرز حکومت جو آزادی شکن ہو استبدادی کہلاتا ہے (خواہ آج داخلی عناصر کے لحاظ سے ایک ہزار ایک قسمیں بن سکتی ہوں)۔ اسی طرح ہر وہ طرز حکومت جو اسلام کے بنیادی اصولوں کا تابع ہو اور آج شرابی نہ کرتا ہو خلافت کہا جاسکتا ہے۔ آگے چل کر فاضل مترجم نے بڑے زور کے ساتھ فرمایا ہے کہ اسلام میں سیاست و مذہب کو کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں سمجھا گیا۔ آج کے نظریات اور صدائوں کے نظریات میں ایک واضح فرق یہ ضرور ہے کہ آج مذہب کو سیاست کا غلام بلکہ آکر کاربایا جاتا ہے۔ اس وقت سیاست مذہب کے تابع اور اس کا ایک جزو تھی۔ آئین مقصد دین کا قیام اور تبلیغ، اور سیاست اسے حاصل کرنے کا محض ایک ذریعہ تھی۔“

اس طرز فکر پر ہم فاضل مترجم کو مبارکباد دیتے بغیر نہیں رہ سکتے لیکن پورا ابتدائیہ ”پڑھ جانے کے باوجود ہم یہ سراغ نہ پاسکے کہ آخر ایک ایسے سلجھے ہوئے ذہن نے ایک ایسی الجھی ہوئی کتاب کو اپنی محنتوں کا محور بنانا کیوں قبول کیا؟ اس سے تو کہیں زیادہ بہتر یہ تھا کہ فاضل مترجم خود اس موضوع پر غم اٹھاتے اور حدیثِ دل رقم کرتے۔